# مُحسنِ انسانیتؐ

## (مخالفت کے طوفانوں سے گذرتے ہوئے)

# اور اُجالا پھیلتا ہی گیا

(نعیم صدیقی)

(بسلسلۂ گذشتہ)

**تنقید** تحریک اسلامی کی دعوت و پیل کے ساتھ محض اپیل ہی نہیں لائی بلکہ اس نے اپیل کے ساتھ بھرپور تنقید سے بھی کام لیا۔ صوفیانہ مذاہب میں تو شاید دعوت کا ایک ہی اسلوب چل سکتا ہے، یعنی منت و لجاجت اور خوشامد و التماس کا اسلوب۔ آخر جہاں محض افراد کی ذات اور ان کی محدود نجی زندگی تک ہی سے واسطہ ہو اور نظامِ اجتماعی کی اصلاح یا تعمیرِ نو کا کوئی سوال ہی سامنے نہ ہو وہاں اس اسلوب سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ صوفیانہ مسلکوں اور انفرادی دھرموں میں صرف یہ پیشِ نظر ہوتا ہے کہ زیرِ اثر افراد کو کچھ عقیدوں اور کچھ انفرادی خوبیوں سے آراستہ کر دیا جائے اور پھر ان کو برائی کی طاقت سے اپنا آپ بچاتے رہنے کا درس دیا جائے۔ لیکن بدی کی اجتماعی طاقت سے لڑنے اور فاسد ماحول سے ٹکر لینے کا کوئی داعیہ موجود نہیں ہوتا۔ ظلم قیادت کی مسند پر بیٹھا اپنا ڈنکا بجاتا ہے اور انسانیت اس کے قدموں میں ذبح کی جاتی ہے، آخر ان دنیوی جھمیلوں سے ایک اللہ مست زاہد کو کیا مطلب! چنانچہ ایسے محدود روحانی نظاموں میں آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات اور سیاست کے جھمیلوں سے الگ تھلگ رہے، ہر کسی کے آگے یکساں انکسار اور لجاجت دکھائے، "یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام"۔

کا کیش اختیار کرے، تواضع ہر ایک کے سامنے کرے اور درشتی کسی سے بھی نہ برتے ایسے نظاموں میں جنہیں آدمی کو میدانِ کشمکش میں نہ اتارنا ہو بلکہ اسے تمدن کی جدوجہد سے نکال کر غاروں اور خانقاہوں میں جا بٹھانا ہو، تنقید سے کام لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ــ کیونکہ تنقید تو ذہنی دنیا میں کشمکش کا آغاز ہوتی ہے۔ چنانچہ محدود روحانیت اور انفرادی مذہبیت کی نگاہوں میں یہ آدمی کی پستیٔ کردار شمار ہوتی ہے کہ وہ کسی طاقت کے خلاف زبانِ تنقید کھولے جیسے یہ دامنِ تقویٰ پر دھبے ڈالنے والا کوئی کام ہو اور اس کے کرنے سے روح کی شانتی ملدی جاتی ہو۔

لیکن جو نظریے اور دعوتیں تمدن میں انقلاب برپا کرنے اٹھیں ان کے اسلحہ خانہ فکر میں دلیل اور اپیل کی طرح تنقید بھی درجۂ اوّل کی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں صرف احقاقِ حق پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ ابطالِ باطل بھی واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ ابطالِ باطل کے بغیر احقاقِ حق بھی پوری طرح نہیں ہو پاتا۔ یہاں خدا پر ایمان لانا اور طاغوت سے کفر کرنا لازم و ملزوم ٹھیرتا ہے۔ یہاں امر بالمعروف تنہا نہیں کیا جا سکتا بلکہ نہی عن المنکر بالکل متوازی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں "الا اللہ" کہنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے "لا الٰہ" پکارا جائے۔

اسلامی تحریک جب بھی رونما ہوتی ہے تو وہ عوام کے سوچنے کا رُخ بدلنے کے لیے وقت کے تمدن، اجتماعی ماحول، سیاسی و معاشی نظام اور پھر خاص طور پر مروّجہ افکار و معتقدات اور پیمانۂ قدر پر کڑی تنقید کرتی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے ان پیش رو طبقوں کے افکار و اعمال کی حقیقت وہ لازماً کھول دیتی ہے جو عوام کو اپنی غلامی کے جال میں پھانس کے مزے اڑاتے ہیں اس کے لیے چارہ کار ہی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ زندگی کی قیادت کرنے والوں کا پول وہ عام انسانوں کے سامنے اچھی طرح کھول دے جب تک فاسد کو فاسد، باطل کو باطل اور غلط کو غلط ثابت نہ کر دیا جائے اس کے مقابلے میں نہ سچائی اور راستی کے لیے کوئی پیاس پیدا ہو سکتی ہے اور نہ تبدیلی کی امنگ اُبھر سکتی ہے۔ ہر وہ دعوت جو نظامِ زندگی میں تبدیلی چاہتی ہو، تنقید کے نشتر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی کسی بھی نبی کی دعوت اور رودادِ کار کو دیکھیے، آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف معاشرے کے فاسد

تصورات و احوال کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے بلکہ ہر نبی نے وقت کے جبابرہ کو ٹھیک ان کے درباروں میں جاکر غلط رو اور غلط کار کہا ہے۔ یہاں تو نظامِ تمدن کی ساخت کو سامنے رکھ کر یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ ہر بستی، قوم اور ملک میں کچھ "اکابر مجرمین" پائے جاتے ہیں جو مکارانہ سیاست سے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں (الانعام ۶:۱۲۴)۔ ان کو ان کے مناصب پر قائم رکھ کر کوئی اصلاح نہیں کی جا سکتی۔

اسلام جب عربوں کے درمیان جاہلیت کے نظام کو مٹانے اور تاریخ میں نئے زریں باب کا افتتاح کرنے اٹھا تو اس نے جھوٹ اور ظلم اور فساد کی ہر ہر شکل پر بغیر کسی رحم کے تنقید کی اور وقت کے جتنے بھی عناصر جاہلی نظام اور طاغوتی ماحول کے رہبر اور پاسبان اور کارپرداز بن کر معاشرے پر مسلط تھے اور جو اپنے مرتبے اور مفاد کے تحفظ کے لیے فلاحِ انسانی کے پیغام کا مقابلہ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان سب کا پول ایسی چیرہ دستی سے کھولا کہ ان کے ناپاک کرداروں کے بدن پر اعزازات کی معنوی پوشاکوں کا ایک تار بھی لگا نہ رہنے دیا۔ جوں جوں انسانیت دشمن طاقتوں کی حقیقت معاشرے پر کھلتی گئی رائے عام میں ایک بیداری شعور پھیلتی چلی گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی پیاس تیز ہوتی گئی۔ اسلامی تحریک کے تنقیدی محاذ نے عوام الناس میں سوچنے، سمجھنے، جانچنے، پرکھنے اور موازنہ و تقابل کرنے کی صلاحیتوں کو نشوونما دی۔ دعوت کا یہ وہ پہلو تھا جو حق و باطل، خیر و شر اور درست و نادرست میں فارق بنا۔ اسی سے قد تبین الرشد من الغی کا سماں پیدا ہوا، اسی کے ذریعے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نتھر گیا، اس کے ذریعے اندھیرے اور اجالے کا فرق کرنے والی بصارت کام کرنے لگی، اسی کے لیے زہر اور شکر کے آمیزے کا تجزیہ ہو گیا۔ فاسد طاقتوں کے مظالم کو تو اسلامی تحریک کے جاں باز اپنی جانوں پر اُف کیے بغیر سہتے رہے، لیکن ان طاقتوں کے گھٹیا کرداروں سے خوشنما پردے اٹھانے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ان کے کام کے خطوط سیاست دعوت کے دائروں سے باہر ہی باہر سے نہیں گزرتے تھے کہ وہ جاہلی نظام کی مذہبی و سماجی قیادتوں کو یہ اطمینان دلا کر اپنا فرض انجام دے سکتے کہ تم بخیت ہو کر اپنے منصبوں اور مرتبوں پر بیٹھے رہو، ہم اللہ والے تمہارے کسی مفاد سے تعرض کرنے والے

نہیں ہیں، ہمیں تو بس خدا کا نام لینا ہے اور اس کا کلمہ لوگوں کو سکھانا ہے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان قیادتوں کے سامنے شانِ انکسار سے کچھ خوشامدانہ باتیں کر کے، ان کو دم دلاسہ دلا کر اور ان کی گرفت سے بچ بچا کر اس انقلابی کلمۂ حق کو پکار سکتے جس کا واضح منتہا نظامِ قسط کی اقامت تھا۔

اسلامی تحریک نے عین اپنے داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کو اس تلخ فریضہ کی انجام دہی کے لیے استعمال کیا اور سماج کے پھوڑوں کو چیرا دینے کے لیے ٹھیک الہامی الفاظ سے نشتروں کا کام لیا۔ یہ تنقید مجرد اصول و تصورات ہی تک محدود نہ تھی بلکہ مزاحم ہونے والے با اثر طبقات اور حریف افراد سب ہی اس کی زد پر آئے اور بار بار آئے۔ یہ تنقید روزمرہ کے واقعاتی پس منظر کے ساتھ کی جاتی تھی اور جو کچھ اقدامات اور کارروائیاں مخالف کیمپ کی طرف سے ہوتی تھیں ان سب کا تجزیہ ساتھ کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح سے عوامی شعور کو تیار کیا گیا۔ یہ کام اگر نہ کیا جاتا تو کچھ پاکباز افراد اور نیکی کے کچھ مجیر العقول مجسمے ممکن تھا کہ تیار ہو جاتے اور وقت کی دنیا بھی ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتی اور بعد کے لوگ بھی عجائب خانہ تاریخ میں ان کی یادگاری تصاویر دیکھتے تو عش عش کرتے لیکن ماحول کا سارا دریا جوں کا توں یخ بستہ رہتا اور جاہلیت کی اندھیاریاں اس کو بدستور محیط رہتیں۔ نہ اندھیرے کا جگر چیرا جا سکتا اور نہ اس دریا کی زیرِ آب خوابیدہ موجوں کو جگایا جا سکتا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ عوام میں انقلابی شعور پیدا ہوتا اور کارکنانِ اسلام کے اندر کشمکش کے رجحانات ابھرتے۔ پھر تو بات غارِ حرا پر ہی ختم ہو جاتی، کجا کہ کلمۂ حق عرب کا فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوتا۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قرآن کی الہامی زبان میں تنقیدیں کر کے وقت کے اکابر کو نہ صرف عقل و دلیل کے لحاظ سے دیوالیہ ثابت کر دیا، بلکہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی زمانے پر یہ راز کھول دیا کہ مرعوب کن اور نظر فریب پردہ ہائے عظمت و سیادت میں نہایت مکروہ غلاظتوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ اسی تنقید نے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ جب تک تحریکِ اسلامی سے تعاون کر کے ان طاقتوں کو زندگی کی قیادت سے برطرف نہ کر دیا جائے، زندگی سنورنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

قریش کو لیا تو ان کی بت پرستی، ان کے اوہام، ان کے مضحکہ انگیز مذہبی رسوم، ان کی اخلاقی پستی اور ان کے زعمِ سیادت سارے ہی پہلوؤں سے کھولنے کی ہر بات کھول دی۔ ان کے محبوب معبودوں کی بے بسی کو واضح کرنے کے لیے مثال دے کے بتایا کہ یہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک خلق کرنے سے عاجز ہیں، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا لے جائے تو یہ اس سے واپس لینے کی مجال بھی نہیں رکھتے۔ حضرت ابراہیم کے نام لیوا ہونے پر ان کو جو فخر تھا اس کو یوں توڑا کہ حضرت ابراہیمؑ کے پورے کارنامۂ حیات کو بار بار ان کے سامنے پیش کر کے دکھایا کہ جس مشن کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی کھپا دی تھی، گھر بار چھوڑا، پیری کی گدی پر لات ماری، نمرود کے سامنے بغاوت کے مقدمہ میں ملزم بنائے گئے اور زندہ جلائے جانے کی سزا تجویز ہوئی، پھر وہ اپنے رب کے لیے مہاجر اور خانہ بدوش بنے، پھر انہوں نے ایک اجاڑ وادی میں آکر اپنی دعوت اور خدا کی عبادت کا یہ مرکز قائم کیا جسے اب تم نے اپنی کمائی اور مذہبی پیشوائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے ـــ اب تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس موحدِ حنیف کے تم نام لیوا اور جانشین بن کے بیٹھو، درآنحالیکہ تمہارا بال بال شرک اور جاہلیت کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے۔ پھر دکھایا کہ کیسے تم لوگوں نے حلال و حرام کی ایک انوکھی شریعت گھڑ رکھی ہے۔ دکھایا کہ تم نے استھانوں پر چڑھاووں کے لیے کیسے کیسے ضابطے رکھے ہیں، دکھایا کہ پانسے پھینکنے اور قمار بازی کرنے کو بھی تم نے رنگ تقدس دے رکھا ہے۔ دکھایا کہ کس طرح تم بیٹیوں کی پیدائش پر منہ چھپاتے پھرتے ہو اور سنگدل بن کر ان کو مٹی کے انباروں میں زندہ دفن کر دیتے ہو، اور پھر تمہیں خدا کے ساتھ بیٹیوں کو منسوب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اسی طرح جب کشمکش چھڑی تو ان کی لایعنی باتوں اور خفیف الحرکتیوں میں سے ایک ایک کو ان کے سامنے رکھ کر دکھایا کہ ذرا اپنے کردار کی شکلیں دیکھو۔ ان کے جرائم ان کے سامنے گنوا کے کہا کہ تم مسجدِ حرام کی تولیت پر نازاں ہو حالانکہ اپنے کفر و شرک کی بنا پر تم اس منصب کے مستحق ہی نہیں ہو، تم نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا، تم نے کعبہ کے دروازے بندگانِ حق پر بند کیے، تم نے اپنے بھائی بندوں کو جلاوطن کیا اور تم نے دین کی راہ میں فتنہ انگیزی کو اپنا شعار بنایا۔

پھر اہلِ کتاب کو لیا تو ان کا صدیوں کا نامۂ اعمال کھول کے ان کے سامنے رکھ دیا کہ کس طرح تم

پیروانِ موسیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو قدم قدم پر اذیت دی تھی، بار بار نافرمانیاں کیں، بار بار بگاڑ کے راستوں پر پڑتے رہے۔ تم نے جھگڑے کیے، فساد اٹھائے، بچھڑے کی پوجا کی، جہاد سے جی چرایا، پھر آپس میں خون خرابے کیے، اپنے بھائی بندوں کو بے خانماں کرتے رہے، ان کے خلاف ظلم و عدوان کے ساتھ دھاوا بولتے رہے۔ تم نے انبیاء کو جانتے بوجھتے جھٹلایا، قتل کیا اور ان کی پاک سیرتوں پر دھبے ڈالتے رہے؛ تم نے کتابِ الٰہی میں تحریف کی، حق بات کو ہمیشہ چھپایا، اور احبار و رہبان کو اپنا معبود بنا لیا۔ حد یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے طرح طرح کی باتیں لکھ کر ان کو خدا سے منسوب کرتے ہو اور خلقِ خدا کو فریب دے دے کے حرام کمائیاں سمیٹتے ہو، نہ خود راہِ حق پر چلتے ہو نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہو اور کوئی دوسرا اگر انسانی فلاح کا کام کرنے اٹھتا ہے تو اس کے ساتھ تعاون کے بجائے اس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہو۔ کل تک تم خود خدائی نوشتوں کی بنا پر زمانے بھر کو مژدہ سناتے رہے ہو کہ نبی آخر الزماں آنے والا ہے اور جب وہ واقعی آپہنچا تو تم اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ مسلم جماعت جو بہت سے وجوہ سے تم سے اقرب ہے اور تمہارے سارے انبیاء اور پہلے کی ساری کڑیوں کو مانتی ہے اس کے مقابلے میں تمہارا قارورہ اگر ملتا ہے تو ارباب شرک سے جا کر ملتا ہے۔ ان کرتوتوں کو کرتے ہوئے خدا کی کتاب برابر تمہاری پیٹھوں پر لدی رہی، — بالکل ایسے کہ جیسے کسی گدھے پر علم کے دفتر لدے ہوں اور وہ ان سے بے خبر چلا جا رہا ہو۔ تم اگر سچے ہوتے تو اپنی زندگیوں پر تورات کو قائم کر کے دکھاتے۔ جب تک تم نے کتابِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، تمہارے خوشنما دعووں کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ آج تمہاری تعداد کثیر اس حالت کو آپہنچی ہے کہ ایک دمڑی بھی اگر ان کے پاس امانت رکھوائی جائے تو ان کی خیانت سے بچ کر وہ مشکل ہی سے واپس مل سکتی ہے۔ اپنے اس رویے کی وجہ سے تم نے خدا کا غضب سہیڑا اور تم پر ذلت و مسکنت چلیک دی گئی۔

پھر منافقین کو پکڑا تو ان کا پورا پورا نفسیاتی تجزیہ کر کے انہیں دکھایا کہ تم کس ٹیڑھے زاویے سے ہر معاملے کو سوچتے ہو۔ تنہائی میں بیٹھتے ہو تو تحریک کے حالات و واقعات پر کس انداز سے الٹے تبصرے کرتے ہو، مجالس میں آتے ہو تو تمہارا ڈھنگ کیا ہوتا ہے اور کس کس طرح باہم دگر اشارے کرتے ہو،

کبھی لکڑی کے کندوں کی طرح ساکت ہو جاتے ہو اور تمہاری آنکھیں پتھرائی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، کبھی چپکے سے ٹسک جاتے ہو، مسلم جماعت میں ہوتے ہو تو اور طرح سے زبان چلاتے ہو اور پھر دشمنوں میں جا بیٹھے ہو تو دوسرا ہی راگ الاپتے ہو۔ ہر معاملے میں تمہارا رویّہ جماعت سے الگ الگ اور مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ دوسروں کو اگر نغمۂ الہام سے درسِ حیات اور سرمایۂ تسکین ملتا ہے تو تمہارے دل اسے سن کر کھنچنے لگتے ہیں، دوسروں کے لیے رسول پاکؐ کا وجود مرکزِ محبت بنا ہوا ہے اور تم اپنے آپ کو دور دور رکھنا پسند کرتے ہو، دوسروں کا جذبۂ دروں انہیں نماز کے لیے کھینچ کھینچ کے لاتا ہے اور تم ہو کہ بے دلی سے کسمساتے ہوئے آتے ہو جیسے مارے باندھے کوئی بیگار آدمی کو پوری کر دینی ہو، دوسرے اپنا سب کچھ تحریک کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں اور تم ہو کہ خود بھی خرچ نہیں کر سکتے اور اوروں کو بھی روکتے ہو، دوسرے اپنے نصب العین کی خاطر دل کی امنگ سے جہاد کے لیے نکلتے ہیں لیکن تم ہمیشہ جان بچانا چاہتے ہو اور عذر گھڑ گھڑ کے راہِ فرار نکالتے ہو۔ دوسروں کے لیے جس واقعہ میں خوشی کا پہلو نکلتا ہے اس سے تمہارے دل ملول ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو جن حالات میں تکلیف پہنچی ہے تم ان پر گھی کے چراغ جلاتے ہو۔ جماعت کے ساتھ کسی طرف سے بھی تمہارا جوڑ نہیں لگتا۔ گویا اسلامی تحریک نے ہر منافق کے سامنے اس کی تصویر کھینچ کے رکھ دی کہ اپنے خد و خال ملاحظہ فرما لیجیے۔

جاہل شعراء جو تحریکِ اسلامی کے خلاف فن کا محاذ آراستہ کیے ہوئے تھے اور خود اس کے داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجو یہ کلام لکھ لکھ کر اسے شائع کرتے رہتے تھے، ان کو بھی لیا گیا۔ چند الفاظ میں ان کا ایسا نقشہ کھینچا گیا کہ جو پوری طرح ان پر راست بھی آتا تھا اور جسے دیکھ کر عرب کا عام آدمی خود اس نقشہ کی پستی کا اندازہ بھی کر سکتا تھا۔ جاہل شعراء کی شان یہ بتائی گئی کہ یہ وہ عنصر ہے جس کے گرد جمع ہونے والے اور جس کی امامت میں چلنے والے صرف گم کردہ راہ لوگ ہیں پھر یہ وہ عنصر ہے جو اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہر ہر وادی میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے، پھر یہ وہ عنصر ہے جو زبان سے وہ باتیں کہتا ہے جن کے مطابق اس کا اپنا عملی کردار نہیں ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے وقت کے خاص خاص گھناؤنے کرداروں کو چھانٹ کر کسی نام کے بغیر ان کی تصویریں اعلیٰ درجہ کے آرٹ کے ساتھ مطابقِ حقیقت ادبی رنگوں سے تیار کیں اور سماج کے عوامی شعور کے ایوان میں آویزاں کر دیں تاکہ ہر کوئی ان کو دیکھے، ان کو سمجھے اور ان کو واقعاتی دنیا میں خود پہچانے، کہیں اس کردار کو دکھایا جو اپنے باتونی پن کے زور سے لوگوں کو مرعوب کر لیتا ہے لیکن عمل کے میدان میں اپنی خوشنما باتوں کو پامال کر کے انسانی سماج میں فتنہ انگیزی کرتا اور تباہی کی آگ لگاتا ہے۔ کہیں اس کردار کو بے نقاب کیا جو اپنے خاندانی اور خاندانہ غرور کے نشے میں بدمست رہتا ہے اور اپنی عزت کے حد سے بڑھے ہوئے احساس نے اس کی ناک کو اتنی اہمیت دے دی ہے کہ وہ گویا ہاتھی کے سونڈ کے مماثل ہوگئی ہے ـــ اور قیامت کے دن ٹھیک اس سونڈ پر داغ دے کر اسے سزا دی جائے گی۔ کہیں اس انسانی کردار کو دکھایا کہ جس کی ہوسِ دنیا نے اسے کتے کی سی عادتوں پر لا ڈالا ہے، جسے دھتکارو تو بھی زبان لٹکا دیتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان لٹکا دیتا ہے۔ یہ کردار سماج میں موجود تھے اور چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے، ان ناقدانہ تصاویر کی وجہ سے ان کو پہچاننا اور ان کی پستی کا شعور حاصل کرنا عوام کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

یہ تنقید محض نظری نہ تھی، واقعاتی کشمکش کے ساتھ متعلق تھی اور اس میں یہ بہر حال تحریکِ اسلامی کے محاذ سے مخالف طاقتوں کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ سنانے والے کو بھی معلوم تھا کہ وہ کس کو سنا رہا ہے اور سننے والوں کو بھی اندازہ ہوتا تھا کہ کون ان کی خبر لے رہا ہے۔ یہ تنقیدیں آسمان سے لاؤڈ سپیکر لگا کر نہیں سنائی جاتی تھیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نشر ہوتی تھیں اور انہیں مسلم جماعت کے ارکان گوشے گوشے تک پہنچاتے تھے، اس لیے ان کے جذبات ان میں شامل اور ان کی روحیں ان میں حل ہوتی تھیں۔ یہ واقعاتی مدوجزر پر منطبق کر کے ہی سنائی جاتی تھیں اور سننے والے بھی ان کو زیرِ تشکیل تاریخ پر منطبق کر کے ہی سمجھتے تھے۔ عوام بھی ان کو اسی حیثیت سے لیتے تھے کہ یہ اس تعمیر پسند انقلابی طاقت کی پکار ہے جو ہمارے درمیان ابھری ہے اور قدیم نظام کو چیلنج کر رہی ہے اور اس کی زد اُن حریفوں پر پڑ رہی ہے جو انقلابی راہ میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ ان کو توقع ملتا تھا کہ وہ دونوں طرف کی

بات سنیں اور فریقین کو تقابل پر رکھ کر جانچیں۔ اس طریقے سے ان کا شعور بنتا چلا گیا۔

دلیل شعور کی روشنی دے سکتی ہے مگر جذبات کو نہیں پکارتی، اپیل جذبات کو حرکت دلا کر دعوت میں کچھ گرمی پیدا کر دیتی ہے مگر وہ تاریخ میں عملی معرکہ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ تنقید ہی کی طاقت ہے جو دلیل اور اپیل کے ساتھ مل کر جب کام کرتی ہے تو تمدن کے سارے معاملات گردش میں آ جاتے ہیں۔ صرف یہی طاقت ہے کہ وقت کے سمندر میں مدوجزر پیدا کر دیتی ہے۔

خلاصہ مدعا یہ کہ اسلامی تحریک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دلیل، اپیل اور تنقید کے سہ گانہ عناصر سے کام لیا اور تئیس برس تک مسلسل کام لیا۔ انہی سہ گانہ طاقتوں نے حریفوں کو بھی محسوس کرا دیا کہ تم علمی و عقلی لحاظ سے فرومایہ، استدلال کے لحاظ سے کمزور، اپنے مقاصد کی جدوجہد کی کشش کے لحاظ سے پسماندہ اور اپنے کردار کے لحاظ سے بہت ادنیٰ سطح پر ہو۔ مخالفین میں مسلم جماعت کی برتری کا اعتراف اور اپنی کہتری کا احساس غیر شعوری طور پر بڑھتا ہی چلا گیا اور دوسری طرف رائے عام بھی فریقین کو ہر پہلو سے جانچ کر ان کا فرق سمجھتی تھی۔ دعوت کی یہ وہ اصل طاقتیں تھیں جنہوں نے عرب کے لاکھوں باشندوں کو مفتوح کر دیا۔ دعوت اگر برحق نہ ہوتی، روحوں کے لیے جاذب نہ ہوتی، اپنے علمبرداروں کو متحرک کر کے رزمِ خیر و شر میں اتار نہ سکتی اور دلیل، اپیل اور تنقید کے ذریعے اپنا لوہا منوا نہ لیتی تو مسلم جماعت نہ سیاسی حکمت کے دائرے میں بازی جیت سکتی تھی اور نہ میدانِ جنگ میں کوئی معرکہ سر کر سکتی تھی۔ ان جزوی میدانوں میں بھی اگر جیت ہوئی تو اس وجہ سے ہوئی کہ رائے عام کے وسیع محاذ پر اسلام کی پیش قدمی بڑی ہی فاتحانہ تھی۔